علامہ عثمان غنی

بہ حیثیتِ بانی مدرسہ حُسینیہ چلمل

لقمان عثمانی

یہی پہچان ہے اُس کی!

لقمان اعلیٰ نسبتوں کے حامل بھی ہیں اور ذہین، ہوشیار و قابل بھی، اُن کے دادا ذی علم و باوقار تھے، یہ شاہ راہِ تحریر سے واقف و خبردار ہیں۔

لقمان کے ساتھ عثمانی کا لاحقہ اُن کے جدِ باکمال علامہ عثمان غنیؒ کے اسمِ گرامی سے مستبرک اور اُنہی کی جانب منسوب ہے، لقمان عثمانی کی ابتدائی تعلیم کی بسم اللہ حضرت علامہ نے ہی کروائی، پھر ابجد شناسی کے مراحل طے کرنے کے بعد مدرسہ مظاہر علوم (قدیم) سہارن پور کے درجۂ اول میں داخل ہوئے اور درجۂ عربی ہفتم، مظاہر میں اُن کے اس تعلیمی سفر کا آخری پڑاؤ رہا، عالمیت کی تکمیل کے لیے ایشیا، بلکہ عالمِ اسلام کی ممتاز درس گاہ دارالعلوم دیوبند کے رہ روانِ شوق کے ہم قافلہ ہوئے، عربی زبان و ادب سے اُن کا تعلق و شغف ہمیشہ ہی قابلِ ذکر حد تک رہا، سو اُنہوں نے عربی کے حوالے سے اپنی تشنہ لبی کو جرعہ نوشی کے ذریعے سیرابی سے مبدّل کرنے کی خاطر دیوبند کے معروف ادارے "معہد الشیخ اشرف للغۃ والدعوۃ" کے باذوق اساتذہ کے علم و تجربے سے اپنی آگہی کے چھاگل کو بھرنے کی بھرسک کوشش کی، نتیجۃً اپنے درسی رفقاء کے درمیان بھی فوقیت و کام یابی اُن کے حصے میں آئی اور اول انعام سے سرفراز ہوئے، المعہد العالی الاسلامی، حیدرآباد سے متخصص فی الفقہ والافتاء ہوئے اور علمِ فقہ کی خاطر درکار دُور بینی و ژرف نگاہی کی کمک سے اپنی نگاہوں کے لیے اجالے سمیٹے، اس کے بعد اسلامی علوم میں اپنی قدیم ترین روشن علمی تاریخ رکھنے والی شہرۂ آفاق دانش گاہ، مصر کی عظیم تر یونیورسٹی: "جامعہ ازہر" سے عربی زبان و ادب کے نکتہ ہائے زریں سے اپنی معلومات کو مزیّن کرنے کے ساتھ ساتھ "كلية الشريعة الإسلامية" میں "فقہ المقارن" کے موضوع کا انتخاب کیا اور دیگر علومِ شرعیہ سے بھی اپنے آپ کو آراستہ و مرصّع کیا، ازہر میں تعلیمی سفر کے اختتام پر اُنہوں نے "جهود علماء ديوبند في علم الحديث (شروح الكتب الستة الصحيحة)" سے معنون مقالہ پیش کیا اور مناقشے کے بعد اپنی جماعت میں اول قرار دیے اور سندِ اعزاز و تمغۂ امتیاز سے نوازے گئے۔

قلم و قرطاس سے لقمان عثمانی کے رشتے کو طویل تر تو نہیں کہا جا سکتا؛ لیکن بہت تھوڑی مدت میں اُنہوں نے مختلف النوع تحریروں کے ذریعہ اپنے پڑھنے والوں کا ایک حلقہ بنا لیا ہے، اُن کی تحریروں کے اسلوب نے قارئین کو اپنی جانب متوجہ کیا، اور اپنے انداز و آہنگ کی داد وصول کی، اُن کے مجموعۂ تحاریر میں تنوع و رنگارنگی ہے، اپنی تحریروں میں اُنہوں نے شخصیات سے بھی متعارف کروایا ہے اور مدارس کی تعلیمی صورتِ حال پر بھی گفتگو کی ہے، ادبی مضامین بھی تخلیق کیے ہیں اور فقہی نِکات پر مشتمل مقالے بھی لکھے ہیں، موقع بہ موقع اُنہوں نے بعض بلند قامت افراد کے لیے گل ہائے عقیدت بھی نچھاور کیے ہیں اور موسم کی حدت کو دور کرنے کے لیے فکاہیہ و مزاحیہ رنگ میں رنگے ہوئے نوشتوں سے شبنم کا کام بھی لیا ہے۔

لقمان ابھی نوجوان ہیں اور اُن کا قلم نوخیز و نوعمر مگر تازہ دم ہے، یہ کہا جا سکتا ہے کہ شاید اُن کا قلم بھی حضرت علامہ کا ہی فیضانِ نظر ہے اور اُن ہی کے مکتب کی کرامت بھی، سو توقع ہے کہ آنے والے وقتوں میں اُن کا قلم اپنی ندرت، انفرادیت اور خصوصیت کے سنگ ہائے میل طے کر کے اپنی فوز یابی کی داستان خود تحریر کرے گا؛ ورنہ اب بھی واقعہ یہی ہے کہ اُن کا لکھا ہی اُن کا تعارف بھی ہے اور شناخت و پہچان بھی!

احمد بن نذر

علامہ عثمان غنی

به حیثیتِ بانی مدرسہ حسینیہ چلمل

لقمان عثمانی

جملہ حقوق بحقِ مؤلف محفوظ ہیں!

نام کتاب : علامہ عثمان غنی : بہ حیثیتِ بانی مدرسہ حسینیہ چلمل

مؤلف : (مفتی) لقمان عثمانی قاسمی ازہری

معاونِ طبع و اشاعت : حضرت مولانا مفتی جاوید شمس قاسمی
(شیخ الحدیث : مدرسہ امداد الاسلام، صدر بازار، میرٹھ)

صفحات : ۴۰

سنِ طباعت : ۲۰۲۴ء / ۱۴۴۶ھ

تعداد : ۵۰۰

کمپوزنگ : عاطف شبلی (سنوار کمپیوٹر اینڈ گرافکس، جے پور)

طباعت و اشاعت : مکتبہ عثمانیہ، چلمل، بیگوسرائے، بہار

رابطہ : +91-7253974055
mdluqmanusmani@gmail.com

ملنے کے پتے

کاشانۂ عثمانی، چلمل، بیگوسرائے

مرکزی پبلکیشنز، اوکھلا، دہلی

نگارشات بک اسٹور، دیوبند

کتابستان، کچہری چوک، ٹوڈے مارکیٹ، بیگوسرائے

جواں پیری کا عالم اور حدیثِ پاک کی خدمت
شہِ علامۂ عثماں کا عالی حوصلہ کہیے

اُنہی کی یادگاروں میں حسینیہّ بھی شامل ہے
کہ چلمل کے ہر اک گھر میں اُسی کی ہے ضیا کہیے

(مولانا ضیاء الرحمن ضیا نعمانی)

(۱۵/۱۰/۲۰۰۳ء)

فہرست

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حرفِ ناگزیر

سرزمینِ بیگوسرائے کو جن شخصیات نے علمی اعتبار عطا کیا اور اس خطۂ ارضی کو جن اکابر علماء نے اپنی علمی ضیا پاشیوں سے بقعۂ نور میں تبدیل کر دیا، اُن میں ایک اہم ترین نام محدثِ جلیل، فقیہِ نبیل، مفسرِ قرآن، مناظرِ اسلام، شارحِ بخاری، صاحبِ نصر الباری حضرت علامہ محمد عثمان غنی قاسمیؒ (سابق شیخ الحدیث مظاہر علوم وقف سہارنپور) کا ہے؛ جنہوں نے نہ صرف یہ کہ ساٹھ سالہ تدریسی خدمات اور متعدد علمی تصنیفات کے ذریعے پوری اردو دنیا، خصوصاً برصغیر کے طلباء وعلماء کی علمی تشنگی بجھانے کا سامان مہیا کیا بلکہ متعدد انقلابی تحریکیں بھی آپ کے ذریعے برپا کی گئیں اور مختلف تعلیمی ادارے بھی قائم کیے گئے، اُنہی اداروں میں سے ایک مدرسہ حسینیہ چلمل بھی ہے جو بجائے خود ایک انقلابی تحریک کے بعد قائم ہو پایا تھا اور جس کی داستانِ عزیمت علاقے کے معمر بزرگوں اور عینی شاہدین کی زبانی سن کر رونگٹے بھی کھڑے ہو کر حضرت علامہ کی جرأت وہمت اور شوکت وعظمت کی گواہی دیتے نظر آتے ہیں۔

مدرسہ حسینیہ چلمل، بیگوسرائے کے مرکزی اداروں میں سے ایک ہے جو ساٹھ کی دہائی میں قائم ہوا تھا اور قیام سے اب تک اشاعتِ علم کا فریضہ انجام دینے میں مصروفِ عمل ہے، اِس ادارے کی داغ بیل محدثِ بیگوسرائے حضرت علامہ محمد عثمان غنی قاسمیؒ نے ۱۹۶۲ء میں ڈالی تھی اور ۱۹۶۶ء کے اوائل تک حضرت علامہ ناظم ومہتمم اور صدر مدرس کی حیثیت سے منسلک رہ کر اپنے اس ادارے کی تعمیر وترقی میں مستقل سرگرمِ عمل رہے؛ چناں چہ میری اِس کاوش میں حضرت علامہ نے بہ حیثیتِ بانی اس مدرسے کے قیام میں جو کردار ادا کیا اور اس عظیم علمی تحریک کو برپا کرنے میں جو قربانیاں دیں؛ اُنہی پہلوؤں پر روشنی ڈالنے کی اپنی سی ایک کوشش ہے۔

نیز چند دنوں قبل "مدرسہ حسینیہ چلمل: تعارف، خدمات، سرگرمیاں" کے نام سے ایک کتابچہ شائع ہوا جس میں مدرسے کا تعارف، خدمات اور موجودہ سرگرمیوں کا

بھر پور جائزہ لیا اور اس کی تاریخ کو بہترین انداز میں پیش کیا گیا اور ساتھ ہی مدرسے سے وابستہ رہ چکے بہت سے اساتذہ وفیض یافتگان کا ذکر بھی کر دیا گیا ہے؛ واضح رہے کہ ۲۴ صفحات پر مشتمل یہ کتابچہ مدرسہ حسینیہ چلمل سے ہی شائع ہوا ہے اور اُس کے مرتب حضرت مولانا عبدالباسط صاحب ندوی دامت برکاتہم (سکریٹری المعهد العالی امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ) ہیں۔

بلاشبہ مرتبِ گرامی قدر نے یہ کتابچہ انتہائی عرق ریزی سے مرتب فرمایا ہے اور مدرسے سے متعلق بہت سی معلومات کو جمع فرما دیا ہے جس کے لیے ہم سب کو ان کا مشکور ہونا چاہیے؛ تاہم اِس اعترافِ حقیقت کے بعد مجھے افسوس بھی ہے کہ اس کتابچے میں بانیِ مدرسہ حسینیہ چلمل حضرت علامہ محمد عثمان غنی قاسمیؒ کے تذکرے کے ساتھ مکمل انصاف نہیں کیا جا سکا نیز بہت سے حقائق سے عمداً یا سہواً اغماض سے کام لیا گیا ہے، یا یہ کہ جن حضرات کو تحقیق کی ذمہ داری دی گئی تھی حقائق کی منزل تک اُن کی رسائی نہیں ہوسکی، یا پھر ہماری اپنی کوتاہی رہی کہ جو نوشتہ یادداشت وتاریخی معلومات ہمارے پاس موجود ہیں وہ ہم نے اُن تک پہنچانے میں تساہل برتا؛ بہرحال مدرسے کے قیام اور اس کے پسِ منظر کے حوالے سے کتنے ہی پہلو تشنۂ تعبیر رہ گئے ہیں جس کے لیے کہیں نہ کہیں ہم سب ہی ذمہ دار ہیں؛ چناں چہ میری اِس کاوش کا مقصد کوئی رد لکھنا یا جواب دینا نہیں، بلکہ اپنی اُنھی کوتاہیوں کی تلافی اور مدرسے کے قیام اور قبل القیام کے اُنھی تشنہ پہلوؤں کو اجاگر کرنا، نیز مدرسے کے قیام میں حضرت علامہ کے کردار پر تفصیلی روشنی ڈالنے کے ساتھ گرامی قدر حضرت مولانا عبدالباسط صاحب ندوی دامت برکاتہم کے کتابچے کا بھی جائزہ لینا ہے تاکہ جانے انجانے میں جو تسامحات سرزد ہو گئے ہیں اُن کی نشان دہی ہو جائے اور ہمارے پاس موجود کاغذات و دستاویزات اور ثبوت وشواہد کی روشنی میں صحیح تاریخ موجودہ وآئندہ نسل تک پہنچ جائے اور سب کی طرف سے ایک فرضِ کفایہ ادا کر کے احساسِ جرم کے بار سے ہم سبک دوش بھی ہو جائیں۔

لقمان عثمانی
۲۱/۱۱/۲۰۲۴ء
۱۸/۵/۱۴۴۶ھ

پتا پتا بوٹا بوٹا حال ہمارا جانے ہے

علاقے کے بہت سے اربابِ علم وفضل سمیت گاؤں کے تمام معمّر بزرگوں کے لیے یہ حقیقت آفتابِ نیم روز کی طرح واضح وروشن ہے کہ مدرسے کا قیام حضرت علامہ کے ہاتھوں ہوا تھا، نیز اُنہی بزرگوں سے بہ کثرت نقل درنقل ہونے کی وجہ سے اب یہ حقیقت پورے علاقے کے عوام وخواص سمیت ہر عمر کے تمام ہوش مند افراد کے لیے وہ ”حدیثِ مشہور“ بن چکی ہے کہ اگر اُس کے خلاف بات بھی کی جائے تو محسوس ہوتا ہے کہ گویا رات کے اندھیارے میں طلوعِ شمس کی خبر دے دی گئی ہو۔

ایک سے زائد بزرگوں سے قیامِ مدرسہ کے وقت کے حالات اور اُس کے لیے حضرت علامہ کی مسلسل جد و جہد اور قربانیوں کا ذکر راقم نے خود سنا ہے اور یہ تحریر لکھنے سے قبل مزید اِس حوالے سے ہم نے چھان بین کی، متعدد ایسے لوگوں سے باضابطہ ملاقات کا اہتمام کیا جو قیام کے وقت موجود تھے، بلکہ اُن میں بعض نام ایسے بھی ہیں جو مدرسہ حسینیہ چلمل کے قیام سے قبل کھپریل عمارت کی تعمیر کے بھی عینی شاہد ہیں ؛ چناں چہ اُن حضرات سے چند ایسی باتیں بھی معلوم ہوئیں جن سے ہم بالکلیہ بے خبر تھے۔

ان سب کے باوجود ایسا تو نہیں کہ مدرسہ حسینیہ چلمل سے شائع ہونے والے کتابچے میں حضرت علامہ کے بانی ہونے کا انکار کیا گیا ہو، بلکہ یہ اعتراف بھی کیا گیا کہ مدرسے کے قیام کی تجویز حضرت علامہ نے ہی پیش کی تھی ؛ لیکن میں عرض کردوں کہ اس مدرسے کے لیے حضرت علامہ کی خدمات محض تجویز پیش کرنے تک ہی محدود نہیں، بلکہ جس طرح مدرسے کے قیام کا سہرا ان کے سر جاتا ہے اسی طرح پوری بستی میں علمی فضا قائم کرنے، بدعات وخرافات کا سدِ باب کرنے اور اُس وقت کی موجودہ وآئندہ نسلوں کے

دلوں میں علمِ دین کی شمع روشن کرنے کا کارنامہ بھی آپ نے ہی انجام دیا تھا؛ کیوں کہ مدرسے کا قیام اُس وقت کی پوری نسل کی علمی آبیاری کے لیے برپا کی جانے والی ایسی علمی تحریک تھی جس کی وجہ سے پورے علاقے میں تعلیم وتعلم کا مزاج عام ہوا اور نتیجتاً آج چلمل بستی کو علما کا گڑھ سمجھا اور کہا جاتا ہے؛ تاہم اس علمی تحریک کو برپا کرنے اور پورے علاقے میں تعلیمی ذوق کو پروان چڑھانے میں حضرت علامہ کا کیا کردار رہا اور اس کے لیے کیا کیا قربانیاں دیں، اِن تمام تر واقعات وحقائق کے تئیں اس کتابچے میں کوئی اشارہ نہیں ملتا۔

مقصدِ تحریر و مآخذِ تحقیق

چناں چہ قبل اس کے کہ مدرسہ حسینیہ چلمل کے لیے حضرت علامہ کی خدماتِ جلیلہ تاریخ کی لق ودق بیابان میں گم ہو کر رہ جائیں، یا وہ بے بنیاد شوشوں کی نذر ہو جائیں یا پھر مرورِ ایام کے ساتھ اُن پر قدامت کی گرد پڑ جائے یا ڈال دی جائے، میں نے ضروری سمجھا کہ اس حوالے سے تمام حقائق کو سپردِ قلم کر دوں تاکہ جن ناآشنا ذہنوں میں شبہات پیدا ہونے لگی ہیں اُن پر بھی یہ حقائق واضح و روشن ہو جائیں، اِسی مقصد کے پیشِ نظر میں نے چلمل کے علاوہ بیگوسرائے و اطراف کے بھی متعدد ایسے عمر رسیدہ بزرگوں اور باوثوق علماء سے ملاقاتیں کیں یا فون پر رابطہ کر کے معلومات حاصل کرنے کی کوشش کی جن کا مدرسہ حسینیہ چلمل سے کسی نہ کسی طرح کا واسطہ رہا ہے اور اُنھوں نے یا تو مدرسے کے قیام اور قبل القیام کے حالات کو انتہائی قریب سے دیکھا یا پھر مدرسے سے واسطہ رہنے کی وجہ سے یا پھر اعلیٰ علمی ذوق رکھنے اور تاریخ وتحریک پر گہری نگاہ ہونے یا پھر حضرت علامہ سے خصوصی مناسبت رہنے کی وجہ سے وہ ان تمام تر واقعات وخدمات سے اچھی طرح واقف ہیں؛ جن میں بیگوسرائے کے سب سے معمر عالمِ دین مولانا عبدالعظیم حیدری مظاہری، مولانا حبیب اللہ صاحب قاسمی، جناب عبدالباری صاحب رجوڑہ، مفتی محمد مصطفی عبدالقدوس ندوی،

مولانا مکرم الحسینی قاسمی، مفتی داؤد صاحب مظاہری، مولانا شہادت حسین صاحب قاسمی، مفتی محمد خالد حسین نیموی قاسمی، مولانا صابر نظامی قاسمی، مولانا فیروز صاحب قاسمی، جناب عبدالقدوس صاحب (مفتی مصطفی عبدالقدوس ندوی کے والد) وغیرہم کے نام نمایاں طور پر قابلِ ذکر ہیں، اسی طرح مولانا عزیر احمد مظاہری (نواسۂ حضرت علامہ) کو بھی بہت سی وہ باتیں مستحضر ہیں جو انہوں نے براہِ راست حضرت علامہ سے سنی تھیں نیز خود میرے والدِ ماجد قاری محمد عمران عثمانی صاحب مدظلہ کے پاس بھی مدرسہ حسینیہ چلمل کے قیام اور اُس کے پسِ منظر کے حوالے سے مکمل معلومات کے علاوہ کچھ تحریری شواہد بھی موجود ہیں جن کی وجہ سے یہ کام میرے لیے مزید آسان ہو گیا؛ تاہم میں اپنی جمع کردہ معلومات میں سے صرف اُنہی معلومات کو پیش کرنے پر اکتفا کروں گا جن کا میرے پاس تحریری یا تقریری ثبوت موجود ہے۔

بِناء کی کہانی، بانی کی زبانی

آئیے قبل اس کے کہ دیگر حضرات کی شہادتوں اور روایتوں کو ذکر کیا جائے، بہتر ہے کہ پہلے خود بانیِ مدرسہ کی زبانی مدرسے کے قیام کی مکمل رُوداد ملاحظہ کر لی جائے؛ چناں چہ آپ ’’جامعہ حسینیہ چلمل کا اجمالی خاکہ‘‘ کے عنوان سے رقم طراز ہیں:

> ’’اس مقدس درس گاہ ’’جامعہ حسینیہ چلمل‘‘ کو آج سے تین سال قبل ۱۳۸۱ھ مطابق ۱۹۶۲ء میں اس سیہ کار نے قائم کیا، اس کا افتتاحی اجلاس انتہائی عجلت میں کیا گیا اس کے باوجود ہندوستان کے مشہور ومقبول مقرر فصیح اللسان حضرت مولانا ابوالوفا صاحب شاہ جہاں پوری اور فخرِ ملت حضرت الحاج مولانا القاری محمد فخر الدین صاحب گیاوی دامت برکاتہم نے تشریف لا کر ایمان انگیز، روح پرور تقریریں فرمائیں

اور وقت کی پکار کے مطابق سب کو سٹیٹ لادینی حکومت میں علمِ دین کی ضرورت اور اہمیت کو بتلاتے ہوئے مسلمانوں کو جامعہ حسینیہ چلمل کی طرف توجہ دلائی، پھر کیا تھا علاقہ کے شیدایانِ اسلام و حامیانِ علومِ نبویہ نے ملک کے سرد گرم حالات و گونا گوں مشکلات سے ٹکراتے ہوئے اقتصادی بدحالی و ملکی گرانی کے باوجود محض اسلام و پیغمبرِ اسلام علیہ الصلاۃ والسلام کی محبت میں میرا ہر طرح ساتھ دیا، میں نے محض موجودہ ہندوستان کے زہریلے نصاب و دشمنانِ اسلام کے خطرناک عزائم کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے غیر معمولی مصائب و تکالیف، رنج و محن جھیل کر لوہے کا چنا چبانا گوارہ کیا، بلا تصنع عرض کر رہا ہوں کہ جامعہ حسینیہ چلمل ہی کی بنیاد کے بعد میں نے تعلق اور لگن کے صحیح مفہوم کو سمجھا، بس میرا تین سالہ حال یہ رہا کہ نہ جان و مال کی پروا نہ عزت کی چاہ اور نہ ذلت و ملامت کا خطرہ، بس مدرسے کی رسید لی اور زبانِ حال سے کہتا ہوا چل پڑا:

مرکزِ دینِ نبی ہے منظرِ اسلام ہے
مدرسہ کہتے ہیں جس کو مصدرِ اسلام ہے

خالقِ کونین کا صد ہزار شکر ہے کہ ہم خدام کی مساعی اور اہلِ خیر کی مالی و بدنی امداد کو قبول فرمایا، ناممکن کو ممکن بنا دیا کہ صرف تین سال کا یہ باغ ہے جس کی مختلف کلیاں دار العلوم دیوبند و مظاہر علوم سہارنپور میں نظر آ رہی ہیں۔'' (رُودادِ جامعہ حسینیہ چلمل، ص: ۳)

اس کے بعد مزید ''مدرسے کی اہم ترین ضرورت'' کے عنوان سے تحریر فرماتے ہیں:

'' آپ کے اس جامعہ میں فی الحال پانچ کمرے اور ایک باورچی خانہ ہے، مگر اس میں چھ مدرسین جو بیرونی ہیں ان کا قیام اور چالیس طلبہ کا

قیام اور اسی میں درس گاہیں ہیں، آپ حضرات کو دقتوں کا خود اندازہ ہوگا؛ چناں چہ عربی تعلیم ملحقہ مسجد میں ہوتی ہے اور درجہ حفظ باہر سائبان میں؛ اس لیے فوری توجہ کی پرزور اپیل ہے، تعمیری فنڈ کی مستقل رسید چھپ چکی ہے اور الحمدللہ مدنی ہال کی بنیاد بھی پڑ چکی ہے؛ اس لیے اصحابِ خیر سے مزید عطیات کی توقع باعثِ توسیعِ عمارت و خیرِ کثیر ہوگی۔ ''

(رُودادِ جامعہ حسینیہ چلمل، ص: ۴، ۵)

ساتھ ہی اپنے معاونین کا شکریہ ادا کرتے ہوئے آگے مزید ''شکریہ'' کے ہی عنوان سے ایک مختصر تمہید کے بعد لکھتے ہیں:

'' ہم تمام اہلِ کرم معاونینِ جامعہ کا شکریہ ادا کرتے ہیں؛ جنہوں نے دامے درمے سخنے اور قلمے جامعہ کی اعانت میں حصہ لیا ہے، بالخصوص جناب الحاج ڈاکٹر محی الدین اختر صاحب (ایم بی بی ایس بیگوسرائے) اور رفیقِ محترم حضرت مولانا محمد شرف الدین القاسمی و جناب ڈاکٹر محمد خبیر الدین صاحب چلمل کے صمیمِ قلب سے شکر گزار ہیں کہ مدرسہ کی ابتدائی سال سے ہی ہر طرح کی اعانت فرمائی اور پُر کٹھن موڑ پر سہارا دیا۔ ''

(رودادِ جامعہ حسینیہ چلمل، ص: ۶)

''رُودادِ جامعہ حسینیہ چلمل'' کے بارے میں

بانیِ مدرسہ حسینیہ چلمل حضرت علامہ محمد عثمان غنی قاسمیؒ نے یہ رُوداد آج سے تقریباً ساٹھ سال پہلے ۱۹۶۵ء میں اُس وقت تحریر فرمائی تھی جب مدرسے کی عمر محض تین سال تھی اور بانیِ جامعہ کے علاوہ تمام معاونین و مدرسین و ملازمین بھی بقیدِ حیات تھے نیز مدرسہ بنتے اور پروان چڑھتے ہوئے دیکھنے والی تمام آنکھیں بھی کُھلی ہوئی تھیں؛ الحمدللہ اب تک یہ کتاب ہمارے پاس تاریخی دستاویز کی حیثیت سے محفوظ ہے، جس میں مدرسے کا قیام،

تعارف، مقاصد، تین سالہ خدمات، قربانیاں اور حضرت مولانا عبد الرشید رانی ساگریؒ وحضرت قاضی مجاہدالاسلام قاسمیؒ کے قدوم میمنت لزوم پر اُن کے تاثرات اور اُس وقت مدرسے کے حالات و کردار خود اُنہی کے قلم سے مذکور ہیں، ساتھ ہی حضرت علامہ نے گوشوارۂ آمد وخرچ کو بھی بالتفصیل ذکر فرما دیا تھا، میری اِس کاوش کے آخر میں حضرت علامہ کے علاوہ مولانا عبدالرشید رانی ساگریؒ اور قاضی مجاہدالاسلام قاسمیؒ کی تحریروں کو بھی من وعن نقل کر کے شاملِ اشاعت کر دیا گیا ہے تا کہ خواہش مند قارئین کے لیے براہِ راست استفادہ کرنا آسان ہو جائے۔

بہر حال! اب جب کہ ہم نے بانیِ مدرسہ کی ہی زبانی قیامِ مدرسہ کی رُوداد و مقاصد کو جان لیا ہے اور قائم کرنے والے اور اُن کے معاونین کے ناموں سے بھی واقف ہو چکے ہیں، ضروری ہے کہ قیامِ مدرسہ کے پسِ منظر، اس علمی تحریک کا آغاز اور پیش آمدہ اہم واقعات کا ذکر بھی بالتفصیل کر دیا جائے۔

اردو مکتب چلمل

مدرسہ حسینیہ چلمل کے قیام سے قبل چلمل بستی میں مکھیا بشیر الدین صاحب کے دروازے پر مولوی محمد طاہر حسین صاحبؒ (کاریچک بیگوسرائے) درجہ اطفال سے لے کر تیسری جماعت تک کے طلبہ کو کریما سعدی، فارسی کی پہلی، گلستاں و بوستاں سمیت دینیات کی متعدد کتابیں اور حساب وغیرہ پڑھایا اور سکھایا کرتے تھے، حضرت علامہ نے اپنی ڈائری ''بیاضِ عثمانی'' میں اُس تعلیم گاہ کو ''اردو مکتب چلمل'' کے نام سے یاد فرماتے ہوئے لکھا ہے کہ:

> ''صوبہ بہار بالخصوص مونگیر کا مشہور اور عظیم زلزلہ ۱۹۳۴ء میں ہوا جب کہ احقر پرائمری اردو مکتب چلمل سے فارغ ہو کر آمد نامہ، فارسی کی پہلی پڑھ رہا تھا، اب تک کے استاذ صرف دو بزرگ تھے، دن

کے استاذ الحاج سید مولوی طاہر حسین صاحب رحمہ اللہ (مدرس اردو مکتب چلمل) اور رات کے استاذ عمِ محترم مولوی نثار احمد صدیقی صاحبؒ تھے۔‘‘

جناب عبدالباری صاحب رجوڑہ بیگوسرائے (ولادت: ۱۹۳۲ء) کے بقول اُس زمانے میں چلمل کے علاوہ رجوڑہ، جن پور، سنگھول، لڑوآرہ اور ہردیا کے مسلم وغیر مسلم طلبہ بھی وہیں آکر تعلیم حاصل کرتے تھے نیز جن بعض شخصیات نے مولوی طاہر صاحب سے بشیر الدین صاحب کے دروازے پر پڑھا تھا اُن میں حضرت علامہ محمد عثمان غنی قاسمیؒ کے علاوہ جناب فرمود صاحب، ڈاکٹر خبیر الدین صاحب، جناب عبدالحمید صاحب، مولوی عبداللہ صاحب (حضرت علامہ کے والد)، مولوی نثار احمد صاحب (حضرت علامہ کے چچا)، جناب شفیق صاحب، جناب عتیق صاحب، جناب رازق صاحب، جناب نذیر الدین صاحب اور جناب بشیر الدین صاحب بھی شامل ہیں، واضح رہے کہ مذکورہ تقریبا تمام ہی شخصیات کا تعلق حضرت علامہ کے ننہیالی خاندان سے ہے، ان تمام لوگوں نے مولوی طاہر صاحب سے مختلف ادوار میں تعلیم حاصل کی تھی، نیز خود جناب عبد الباری صاحب بھی اُنہی کے شاگرد رہ چکے ہیں۔

کھپریل عمارت کی تعمیر

جناب عبدالباری صاحب اپنی حیاتِ مستعار کی بانوے بہاریں دیکھ چکے ہیں اور وہ اِس وقت مدرسہ حسینیہ چلمل کے قیام و ماقبل القیام کے حالات کے سب سے پرانے عینی شاہدین میں سے ایک ہیں؛ چناں چہ میرے سوال کرنے پر اُنہوں نے اِس حوالے سے روشنی ڈالتے ہوئے مذکورہ بالا تفصیلات بتلائیں اور فرمایا کہ مولوی طاہر حسین صاحب نے عرصۂ دراز تک چلمل میں تدریسی خدمات انجام دی ہیں، بعد میں بشیر الدین صاحب کے دروازے سے منتقل ہو کر مسجد کے پاس کھپریل عمارت میں تعلیم دینے

لگے تھے، میں نے فوراً سوال کیا کہ وہ کھپریل عمارت کس نے اور کب تعمیر کرائی تھی؟ تو جواب دیا کہ سنِ تعمیر تو مجھے یاد نہیں البتہ اتنا ضرور معلوم ہے کہ اُس کو تعمیر کرانے والے مولوی عبداللہ صاحب اور مولوی نثار احمد صاحب ہیں جو حضرت علامہ کے والد اور چچا تھے؛ چوں کہ یہ میرے لیے ایک نیا انکشاف تھا اس لیے مجھے شدید حیرانی ہوئی اور اِس حوالے سے مزید تحقیق کی ضرورت بھی محسوس ہوئی؛ چناں چہ میں نے فی الوقت چلمل بستی کے سب سے معمر اور بزرگ عالمِ دین حضرت مولانا حبیب اللہ صاحب قاسمی دامت برکاتہم کی خدمت میں حاضر ہوکر اِس بابت دریافت کیا تو اُنھوں نے بھی فرمایا کہ اس عمارت کو مولوی عبداللہ صاحب اور مولوی نثار احمد صاحب نے ہی تعلیم گاہ کے طور پر تعمیر کرایا تھا نیز اُس وقت علاقے میں مولوی عبداللہ صاحب زبردست اثر و رسوخ کے مالک تھے، علاقے میں اُن کی حیثیت پردھان کی سی ہوا کرتی تھی، ہر شخص اہم معاملات میں اُن کا نیازمند ہوا کرتا تھا اور وہ عبداللہ خلیفہ کے نام سے مشہور تھے؛ چناں چہ اُنھی دونوں بھائیوں نے مل کر کھپریل عمارت کی تعمیر کرائی، جس کے بعد مولوی طاہر حسین صاحب وہیں پڑھانے پر مامور ہو گئے تھے، تا آں کہ خود میں (حضرت مولانا حبیب اللہ صاحب قاسمی) نے بھی کچھ دنوں تک مولوی طاہر حسین صاحب سے وہاں تعلیم حاصل کی تھی۔

میں نے مزید تحقیق کی غرض سے چلمل کی ہی ایک اور معمر ترین شخصیت اور حضرت مفتی محمد مصطفی عبدالقدوس ندوی کے والد جناب عبدالقدوس صاحب سے یہی سوال کیا تو اُنھوں نے بھی مکمل رُوداد بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ کھپریل مکان میرے چچا عبداللہ خلیفہ اور میرے والد نثار احمد نے تعمیر کرایا تھا، واضح رہے کہ جناب عبدالقدوس صاحب حضرت علامہ کے چچا زاد بھائی اور مولوی نثار احمد کے فرزند ہیں؛ چناں چہ وہ اپنی عمر کی نو دہائیاں گزار لینے کے ساتھ ''صاحب البیت أدریٰ بالذی فیہ'' کے مطابق بھی تمام صورتِ حال کے زیادہ واقف کار ہیں؛ کیوں کہ جب وہ عمارت بنی تو وہ سنِ شعور کو پہنچ چکے تھے اور سب کچھ اُنھوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا نیز عمارت کی بنیاد رکھنے والے

بھی چوں کہ گھر کے ہی افراد تھے تو مزید قریب سے دیکھنے، جاننے اور سمجھنے کا موقع ملا۔

اِن تمام تر شہادتوں سے معلوم ہوا کہ حضرت مولانا عبدالباسط صاحب ندوی نے مسجد کے پاس کھپریل مکان کی تعمیر کی نسبت علاقے کے جن باشعور لوگوں کی طرف کی ہے، اردو مکتب چلمل کے ہی فیض یافتہ اور علاقے کی قدیم ترین شخصیت جناب عبدالباری صاحب اور چلمل کے سب سے بزرگ و باوثوق عالِم دین حضرت مولانا حبیب اللہ صاحب قاسمی اور چلمل کے معمر ترین بزرگ جناب عبدالقدوس صاحب کے دعوے اور اِنہی حضرات کی تائید وتوثیق کے مطابق وہ باشعور افراد حضرت علامہ کے والد اور چچا تھے، مولانا عبدالباسط صاحب کھپریل عمارت کی تعمیر کے حوالے سے تحریر فرماتے ہیں:

> ”گاؤں کے باشعور لوگوں نے جب مسجد تعمیر کی تو اس کے ساتھ مسجد سے ہی متصل ایک کھڑا پوش مکان جو اس وقت کے اعتبار سے اوسط درجہ کا معیاری مکان تھا تعلیمی مقصد کے لیے تعمیر کرایا، اس مکان میں سرکاری طور پر اردو مکتب کا قیام عمل میں آ گیا، کچھ عرصہ کے بعد گاؤں کے باشعور دیندار لوگوں کو احساس ہوا کہ مسجد کے متصل یہ سرکاری مکتب آگے چل کر ہمارے لیے پریشانی کا باعث نہ بن جائے، اس لیے کہ جب یہ سرکاری تعلیمی ادارہ ہے تو اُس میں بہت سے مشرکانہ اعمال بھی ہوں گے جو مسجد کے تقدس وحرمت کے خلاف ہے، اس لیے اُن لوگوں نے کوشش کر کے اُس سرکاری مکتب کو گاؤں کے کنارے شمال جانب منتقل کرا دیا، یہ مکان خالی ہو گیا“
>
> (مدرسہ حسینیہ چلمل: تعارف، خدمات، سرگرمیاں، ص: ۴، ۵)

البتہ مذکورہ اقتباس سے ایک شبہ پیدا ہوتا ہے کہ گویا کھپریل عمارت کی تعمیر بھی

مسجد کے ساتھ ہی یا اس کے معاً بعد کرائی گئی تھی جو تاریخی اعتبار سے درست نہیں ہے، اس حوالے سے مولانا حبیب اللہ صاحب، جناب عبدالباری صاحب اور جناب عبدالقدوس صاحب سمیت متعدد حضرات کی روایتوں سے پتا چلتا ہے کہ مسجد بہت پہلے تعمیر کرائی جا چکی تھی جب کہ اُس کھپریل مکان کو بعد میں بنایا گیا؛ کیوں کہ جناب عبدالباری صاحب نے جب مولوی طاہر حسین صاحب سے اکتسابِ فیض کیا تھا تو اس وقت تک تعلیم جناب بشیر الدین صاحب کے دروازے پر ہی ہوتی تھی اور کھپریل عمارت کا کوئی وجود نہیں تھا، نیز مولانا حبیب اللہ صاحب کی صراحت کے مطابق اس عمارت کی تعمیر ان کے بچپن میں اُس وقت عمل میں آئی تھی جب حضرت علامہ کی فراغت ہو چکی تھی، واضح رہے کہ مولانا حبیب اللہ صاحب کی ولادت ۱۹۴۷ء میں ہوئی ہے جب کہ حضرت علامہ کی فراغت ۱۹۵۰ء کی ہے، ان تمام باتوں میں تطبیق دینے سے اندازہ ہوتا ہے کہ کھپریل عمارت کی تعمیر ۱۹۵۱ء کے آس پاس کرائی گئی ہوگی۔

ساتھ ہی ذکر کردہ اقتباس میں اُس مکان میں سرکاری طور پر مکتب کے قیام کا ذکر کیا گیا ہے جب کہ مولانا حبیب اللہ صاحب اور جناب عبدالباری صاحب کے مطابق اس مکان میں سرکاری مکتب کے قیام کی ابھی صرف بات ہی چل رہی تھی، اس کا قیام عمل میں نہیں آیا تھا، نیز مولانا حبیب اللہ صاحب نے مزید فرمایا کہ اس کو سرکاری مکتب بنانے سے روکنے والے بھی مولوی عبداللہ صاحب اور مولوی نثار احمد صاحب ہی ہیں، انہی دونوں حضرات کی زبردست مخالفت کی وجہ سے دوسرے لوگ بھی ان کے ساتھ ہو گئے اور بالآخر اس مکتب کو سرکاری مداخلت سے محفوظ رکھ پانے میں کامیاب رہے اور سرکاری مکتب کو دوسری جگہ قائم کیا گیا۔

کھپریل عمارت کے پہلے استاذ

اس سے پہلے ہم نے ذکر کیا ہے کہ مولوی طاہر حسین صاحب نے اس کھپریل

عمارت میں باضابطہ طور پر پڑھانا شروع کر دیا تھا؛ تا آں کہ اُس میں تعلیم پانے والوں میں حضرت مولانا حبیب اللہ صاحب بھی شامل ہیں؛ تاہم مولانا عبدالباسط صاحب اپنے کتابچے میں رقم طراز ہیں:

> ''مولانا محمد شرف الدین صاحب اور ڈاکٹر محمد خبیر الدین صاحب نے (جو گاؤں کی اہم شخصیت، سماجی کارکن اور پیشے کے اعتبار سے ہومیو پیتھک کے ایک اچھے ڈاکٹر تھے) حافظ محمد سلیم الدین صاحب سے کہا کہ جب آپ دیو بند نہیں جا رہے ہیں تو اِس مکان میں بچوں اور بچیوں کو پڑھائیے، مسئلہ مشاہرہ کا ہوا تو بات یہ طے پائی کہ بغل کی بستی ہر دیا کے لوگ پندرہ روپے دیں اور چلمل کے لوگ پندرہ روپے دیں کل تیس روپیے، اور دونوں بستی کے بچے اور بچیاں تعلیم حاصل کریں؛ چناں چہ اس مکان میں تعلیم شروع ہوگئی اور اس کے سب سے پہلے باقاعدہ مدرس حافظ محمد سلیم الدین صاحب ہوئے، پانچ چھ ماہ تک یہ سلسلہ چلتا رہا، دونوں گاؤں کے طلبہ وطالبات سے مدرسہ بھرا رہتا تھا۔''
>
> (مدرسہ حسینیہ چلمل : تعارف، خدمات، سرگرمیاں، ص:۵)

اب یہاں پہ یہ بات محلِ نظر ہے کہ جب اس عمارت میں مولوی طاہر صاحب نے بھی باضابطگی کے ساتھ کچھ عرصہ پڑھایا تھا جس کا ذکر خود مولانا عبدالباسط صاحب نے بھی کر رکھا ہے، تو پھر اگرچہ بعد میں ایک مختصر مدت تک کے لئے تعلیمی انقطاع بھی رہا تاہم حافظ سلیم صاحب کو اس ''عمارت'' کا پہلا استاذ قرار دینا کیسے درست ہوسکتا ہے؟ البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ درمیان میں جو سلسلہ منقطع ہوگیا تھا اس کے بعد دوبارہ جو تعلیم شروع ہوئی، تو اس انقطاع کے بعد پہلے استاذ حافظ سلیم صاحب ہیں جب کہ اس ''عمارت'' کے وہ دوسرے استاذ ہوئے جب کہ پہلے استاذ بہر حال مولوی طاہر حسین ہی تھے۔

امام باڑہ کی مسماری

مدرسہ حسینیہ چلمل کے قیام کی تحریک کا آغاز درحقیقت بدعات وخرافات کی اسی آماج گاہ کے انہدام سے ہوتا ہے؛ چناں چہ مدرسے کے قیام سے قبل مسجد کے سامنے اور کھپریل عمارت کی مشرقی جانب ایک چبوترا ہوا کرتا تھا جس کو لوگ امام باڑہ کہتے تھے اور ہر سال محرم الحرام کے اولِ عشرہ میں وہاں خصوصی طور پر آنے کا اہتمام کرتے اور اپنے مخصوص اعمال انجام دے کر یہ تصور کرتے تھے کہ گویا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی روح حاضر ہوگئی ہو نیز اِن مشرکانہ رسومات میں چلمل بستی کے علاوہ بیگوسرائے کی دوسری بستیوں کے لوگ بھی ملوث تھے، یہ وہ زمانہ تھا جب حضرت علامہ اور حضرت مولانا شرف الدین صاحب قاسمیؒ (مولانا عبدالباسط صاحب کے والدِ گرامی) دارالعلوم دیوبند سے فارغ ہو چکے تھے، فراغت کے بعد حضرت علامہ نے کچھ دنوں تک بنگلہ دیش میں تدریسی خدمات انجام دیں اس کے بعد رشید العلوم چترا میں بھی استاذِ حدیث رہے جب کہ مولانا شرف الدین صاحب شری کرشن ہائی اسکول اولا پور، گنگور کھگڑیا میں بہ حیثیتِ استاذ مقرر ہو گئے اور علاقے میں ہی رہنے لگے؛ لیکن چوں کہ وہ امام باڑہ سب کے نزدیک ایک مقدس مقام کی حیثیت رکھتا تھا اور سب کی عقیدت اُس سے وابستہ تھی اس لیے کسی کی ہمت نہیں ہو پائی کہ اس کے خلاف کوئی عملی اقدام کرے؛ کیوں کہ:

کمالِ عاشقی ہر شخص کو حاصل نہیں ہوتا
ہزاروں میں کوئی مجنوں، کوئی فرہاد ہوتا ہے

لیکن حضرت علامہ نے جب یہ صورتِ حال دیکھی تو وہ ضبط نہ کر سکے اور گاؤں کے اولین عالم ہونے کی حیثیت سے بھی آپ کو اپنی ذمہ داری کا شدید احساس ہوا؛ چناں چہ ایک دن جمعہ کی نماز سے قبل عزاداری کے خلاف زبردست تقریر کی اور سخت انداز میں اس پر نکیر فرمائی اور پھر اُسی رات کلہاڑی لے کر سنتِ ابراہیمی زندہ کرنے کے لیے نکل کھڑے ہوئے اور امام باڑہ کو مسمار کر دیا، اس انقلابی اقدام کے بعد دُور دُور تک خبر

پھیل گئی اور پورے علاقے میں ہنگامہ برپا ہوگیا کہ علامہ صاحب نے امام باڑہ توڑ دیا، مختلف جگہوں سے لوگ آنے لگے اور بہت سے لوگوں نے مسجد کا بھی بائیکاٹ کرنا شروع کر دیا اور حضرت علامہ کے خلاف قانونی چارہ جوئی کی تدبیر کرنے لگے؛ تاہم حضرت علامہ کے والدِ ماجد مولوی عبداللہ صاحب کے علاقے میں زبردست اثر ورسوخ کی وجہ سے وہ کچھ بگاڑ تو نہ سکے، البتہ تقریباً بیس سالوں تک حضرت علامہ کے خلاف اس کا مقدمہ چلتا رہا؛ گویا حضرت علامہ نے اپنے جرأت وعزیمت کے اس عمل سے بہ زبانِ حال یہ واضح پیغام دے دیا کہ:

کیا ڈر رہے جو ہو ساری خدائی بھی مخالف
کافی ہے اگر ایک خدا میرے لیے ہے

حضرت علامہ کے اِسی جرأت مندانہ کارنامے اور چلمل بستی سے شرک و بدعت کے خاتمے میں قائدانہ رول ادا کرنے کے حوالے سے مولانا مکرم الحسینی صاحب قاسمی دامت برکاتہم تحریر فرماتے ہیں کہ:

''فراغت کے بعد آپ نے چلمل میں ایک مدرسہ کی بنیاد ڈالی جس کا نام مدرسہ حسینیہ چلمل رکھا گیا، کئی سال تک تعلیم وانتظام کی خدمت آپ کے سپرد رہی، چلمل میں شرک و بدعات بالخصوص تعزیہ داری کا قلع قمع کرنے میں آپ نے اہم کردار ادا کیا۔''

(سوانح وتاریخ فضلائے دارالعلوم دیوبند ضلع بیگوسرائے، ص: ۳۲)

مدرسہ حسینیہ چلمل کا قیام

اس واقعے کے کچھ عرصے بعد ہی حضرت علامہ نے علاقے کی نئی نسل میں پھیلی جہالت کو دور کرنے اور ان کو علمِ دین سے آراستہ و پیراستہ کرنے کے لیے ایک مدرسہ قائم کرنے کا ارادہ فرمایا، اُسی موقع پر آپ نے حضرت مولانا قاری محمد فخرالدین صاحب گیاویؒ

کو لکھیا بشیر الدین صاحب کے دروازے پر ایک اجلاس میں خطاب کرنے کے لیے مدعو کیا؛ چناں چہ جب قاری فخر الدین صاحب کا موجودہ مدرسہ حسینیہ چلمل کے پاس سے گزر ہوا تو فرمایا کہ مجھے اس جگہ سے علم کی بو آرہی ہے، مولانا عبدالباسط صاحب اس جملے کی نسبت مولانا عبدالرشید رانی ساگریؒ کی طرف کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

> ''مولانا عبد الماجد صاحب کی روایت کے مطابق مولانا محمد شرف الدین صاحب نے کہا تھا کہ حضرت مولانا عبدالرشید رانی ساگری رحمۃ اللہ علیہ کا ایک موقع سے جب یہاں سے گزر ہوا تو فرمایا کہ اس سرزمین سے علم کی بو آرہی ہے۔''
>
> (مدرسہ حسینیہ چلمل: تعارف، خدمات، سرگرمیاں، ص ۲۳:)

جب کہ حضرت مولانا حبیب اللہ صاحب قاسمی کے بقول اِس جملے کی نسبت مولانا عبدالرشید رانی ساگریؒ کی طرف کرنا درست نہیں؛ کیوں کہ یہ جملہ قاری فخر الدین صاحب کا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ جب قاری فخر الدین صاحب حضرت علامہ کے ہمراہ اُس مقام سے گزر رہے تھے اور قاری صاحب نے یہ جملہ کہا تو اُس وقت مولانا حبیب اللہ صاحب بھی وہیں پہ موجود تھے اور انھوں نے خود یہ جملہ قاری صاحب سے براہِ راست سنا تھا۔

بہر حال حضرت قاری محمد فخر الدین صاحب گیاویؒ کے اس جملے کے بعد حضرت علامہ کے ارادے کو مزید تقویت مل گئی؛ چناں چہ حضرت علامہ نے مولانا شرف الدین صاحب، ڈاکٹر محی الدین صاحب، ڈاکٹر خبیر الدین صاحب، مولوی عبداللہ صاحب، مولوی نثار احمد صاحب، جناب نذیر الدین صاحب اور جناب بشیر الدین صاحب سمیت علاقے کے متعدد باشعور و ذمہ دار افراد کو جمع کر کے اپنے اس ارادے کا اظہار فرمایا اور مدرسہ حسینیہ چلمل کے نام سے ایک اقامتی ادارہ قائم کرنے کی تجویز رکھی جس کی سب نے

حمایت کی اور مدرسہ حسینیہ چلمل کا قیام عمل میں آ گیا، اُس کے بعد افتتاحی اجلاس کے لیے نامور عالمِ دین حضرت مولانا ابوالوفا صاحب شاہ جہاں پوریؒ اور حضرت مولانا قاری فخری الدین صاحب گیاویؒ کو مدعو کیا جنھوں نے علمِ دین کی اہمیت وضرورت کو بیان کرتے ہوئے مدرسہ حسینیہ چلمل کی طرف سب کی توجہ مبذول کرائی۔

مدرسے کے قیام کے بعد علاقے کی مختلف بستیوں سے امدادی وغیرامدادی طلبہ حصولِ علم کے لیے آنے لگے، مجھے یہ کہنے میں کوئی تامل نہیں کہ آج حضرت علامہ کے قائم کردہ اِسی بافیض ادارے کی برکت ہے کہ چلمل بستی کو بیگوسرائے میں علما کا گڑھ سمجھا جاتا ہے، جس کی تائید حضرت مفتی محمد داؤد صاحب مظاہری کے اس قول سے بھی ہوتی ہے کہ حضرت علامہ کا مدرسہ قائم کرنا پورے علاقے کے لیے ایسا تحریکی وانقلابی قدم تھا کہ اگر مدرسہ قائم نہ ہوتا تو شاید آج ہم لوگ علمِ دین سے بھی محروم ہوتے۔

قیامِ مدرسہ کے بعد حضرت علامہ کی خدمات

جب حضرت علامہ کی اس علمی تحریک اور عوام وخواص کی مسلسل ذہن سازی کے نتیجے میں مدرسہ حسینیہ چلمل قائم ہو گیا تو حضرت علامہ اسی مدرسے میں ناظم ومہتمم اور صدر مدرس کی حیثیت سے تدریسی وانتظامی خدمات انجام دینے لگے اور ساڑھے تین سالوں تک مدرسے کی تعمیر وترقی کے ساتھ مختلف علاقے کے طلبہ کو بھی حصولِ علم کی ترغیب دینے اور اُن کو مدرسہ تک لانے کی کوشش میں مصروفِ عمل رہے، اُس وقت مدرسہ کے قیام اور اعلیٰ تعلیمی نظام کا شہرہ بیگوسرائے کے علاوہ دوسرے اضلاع میں بھی ہو چکا تھا نیز چوں کہ حضرت علامہ کئی مدارس میں بہ حیثیتِ استاذِ حدیث خدمات انجام دے چکے تھے اور ساتھ ہی متعدد کتابیں بھی تصنیف فرمائی تھیں اس لیے ہر جگہ ان کی علمی شہرت بھی تھی، اُن کی اسی علمی شہرت کا نتیجہ تھا کہ طلبہ خاص طور پر حضرت علامہ کے نام کی وجہ سے اور براہِ راست اُن سے استفادہ کی غرض سے مختلف علاقوں سے آتے اور آپ کے زیرِ تربیت رہ کر تعلیم

حاصل کرتے، اُنھی طلبہ میں سے ایک حضرت مولانا محمد اسلام صاحب قاسمیؒ (سابق استاذِ حدیث دارالعلوم وقف دیوبند) بھی ہیں؛ چناں چہ ایک موقع پر مولانا اسلام صاحب نے حضرت علامہ کا تذکرہ کرتے ہوئے مجھ سے فرمایا کہ ۱۹۶۶ء میں حضرت علامہ سے ہی شرفِ تلمذ حاصل کرنے کے لیے میں مدرسہ حسینیہ چلمل پہنچا تھا؛لیکن پہنچنے کے بعد علم ہوا کہ حضرت علامہ یہاں سے مدرسہ عالیہ فتحیہ فرفرہ شریف ضلع ہگلی میں بہ حیثیتِ شیخ الحدیث منتقل ہو چکے ہیں، تبھی میں نے بھی اپنا سامان لیا اور اگلے دن ہی وہاں سے گویا دل ہی دل میں یہ کہتے ہوئے رخصت ہو گیا کہ:

کون کرتا ہے ترے بعد ترے جیسا سخن
ہم ترے بعد کسی سے بھی کہاں بولتے ہیں

حضرت علامہ کے دورِ اہتمام میں مدرسے کی کارکردگی

حضرت علامہ نے محض تین سال کے اندر ہی مدرسے کو علاقے میں ایک اعتبار عطا کر دیا تھا اور طلبہ کثیر تعداد میں یہاں آ کر تعلیم حاصل کرنے لگے، حضرت علامہ کی مرتب کردہ رُودادِ جامعہ حسینیہ چلمل کے مطابق مختلف علاقوں کے امدادی طلبہ کی تعداد ۱۴۱ تھی جب کہ مجموعی تعداد ۱۳۰ تک پہنچ گئی تھی اور سات اساتذہ تدریسی خدمت انجام دے رہے تھے جب کہ ایک باورچی بھی مطبخ کے نظام پر مامور تھے۔

حضرت علامہ کے دورِ اہتمام میں نہ صرف یہ کہ باقاعدہ عربی سوم تک کی تعلیم ہوتی تھی بلکہ حضرت مولانا عبدالعظیم حیدری اور مولانا شہادت حسین صاحب قاسمی کی شہادت کے مطابق اسی ساڑھے تین سالہ دورِ اہتمام کے اندر ہی حضرت علامہ نے بعض طلبہ کو اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لیے دارالعلوم دیوبند و مظاہر علوم سہارنپور بھی بھیج دیا تھا؛ جیسا کہ خود حضرت علامہ بھی اپنی رُودادِ جامعہ میں رقم طراز ہیں کہ:

''خالقِ کونین کا صد ہزار شکر ہے کہ ہم خدام کی مساعی اور اہلِ

خیر کی مالی و بدنی امداد کو قبول فرمایا، ناممکن کو ممکن بنا دیا کہ صرف تین سال کا یہ باغ ہے جس کی مختلف کلیاں دار العلوم دیو بند و مظاہر علوم سہارنپور میں نظر آ رہی ہیں۔'' (رودادِ جامعہ حسینیہ چلمل، ص: ۴)

تعمیری کام

کھپریل عمارت میں صرف چار کمرے ہوا کرتے تھے جس میں چھ بیرونی اساتذہ اور تمام امدادی طلبہ رہتے تھے نیز تعلیم بھی اُنہی کمروں میں ہوا کرتی تھی جب کہ حفظ و ناظرہ کی تعلیم باہر صحن میں ہوتی تھی نیز مدرسے میں جگہ کی تنگی کی وجہ سے عربی درجات کے طلبہ کی تعلیم کا نظم مسجد میں کر دیا گیا تھا؛ چناں چہ مزید عمارت کی شدید ضرورت محسوس کی جا رہی تھی، اسی ضرورت کے پیشِ نظر حضرت علامہ نے سب سے پہلے تو ایک باورچی خانہ تعمیر کرایا اور ساتھ ہی کھپریل عمارت کے ہی صحن میں ایک کمرہ بھی بنوایا، مولانا عبد العظیم حیدری صاحب فرماتے ہیں کہ ہم لوگوں نے خود بھی اس کی تعمیر میں بڑی محنت کی ہے اور اینٹیں اٹھا کر لایا کرتے تھے؛ چناں چہ جب وہ کمرہ تیار ہو گیا تو مولانا عبد العظیم صاحب اور مولانا معین الدین صاحب کا قیام بھی اسی کمرے میں ہونے لگا جو مدرسے میں تدریسی خدمات انجام دے رہے تھے۔

ساتھ ہی حضرت علامہ نے مدنی ہال کے نام سے مستقل ایک نئی عمارت کے لیے ۲۹/دسمبر ۱۹۶۲ء میں ہی سنگِ بنیاد رکھوا دیا تھا؛ چناں چہ اُسی موقع پر مولانا عبد الرشید رانی ساگریؒ تشریف لائے تھے اور اپنے دستِ مبارک سے ہی کھپریل عمارت کے برابر میں نئی عمارت کا سنگِ بنیاد رکھا؛ تاہم اس عمارت کا تعمیری کام ۱۹۷۲ء میں شروع ہوا نیز اس کے لیے اینٹوں کا انتظام مولانا حبیب اللہ صاحب قاسمی نے کیا تھا اور اس خدمت کے بعد ہی مولانا حبیب اللہ صاحب مدرسہ حسینیہ مانڈر میں بہ حیثیتِ استاذ مقرر ہو کر یہاں سے رخصت ہو گئے تھے۔

علاقائی طلبہ کی علمی نشو ونما میں حضرت علامہ کا کردار

بہر حال مدرسہ قائم ہونے کے بعد حضرت علامہ ساڑھے تین سالوں تک جہاں تشنگانِ علومِ دینیہ کے آگے علم وآگہی کا جام لنڈھاتے رہے وہیں علاقے میں بچوں اور ان کے والدین کو علمِ دین کی طرف راغب کرنے کے لیے بھی ہمیشہ متحرک رہے؛ چناں چہ مفتی محمد داؤد مظاہری اور مولانا عبدالعظیم حیدری کے بقول اُسی زمانے میں مفتی داؤد صاحب کے علاوہ مولانا محمد اسحاق صاحب قاسمی، مولانا عبدالحنان صاحب مفتاحی، مولانا محمد حاذق صاحب مظاہری اور مولانا شہادت حسین صاحب قاسمی وغیرہم نے بھی مدرسہ حسینیہ چلمل میں تعلیم حاصل کی تھی اور ان میں سے بعض کو حضرت علامہ سے شرفِ تلمذ بھی نصیب ہوا اور ساتھ ہی آگے کی تعلیم کے لیے ان طلبہ کی رہنمائی بھی حضرت علامہ کی طرف سے ملتی رہی۔

واضح رہے کہ حضرت علامہ محمد عثمان غنی قاسمیؒ اور حضرت مولانا شرف الدین صاحب قاسمیؒ کے بعد حضرت مولانا حبیب اللہ صاحب قاسمی، چلمل کے تیسرے عالم ہیں، مولانا حبیب اللہ صاحب کے بقول چوں کہ علاقے کے اولین علما حضرت علامہ اور مولانا شرف الدین صاحب تھے تو اُن کو تعلیمی رہنمائی بھی اِنہی دونوں حضرات سے ملی، خصوصا جب حضرت علامہ گاؤں تشریف لاتے تو مولانا حبیب اللہ صاحب ملاقات کی غرض سے حاضرِ خدمت ہوجاتے یا بسا اوقات حضرت علامہ خود اُن کو طلب فرما لیتے؛ لیکن آپ کو زیادہ کسی رہنمائی کی ضرورت اس لیے بھی نہیں پڑی کیوں کہ وہ پہلے سے ہی تعلیم وتعلم سے باضابطہ طور پر جُڑ چکے تھے؛ البتہ اُن کے بعد دیگر تمام علما کے تعلیمی ذوق کو پروان چڑھانے اور اُنہیں حصولِ علم کی طرف راغب کرنے میں حضرت علامہ کا کلیدی کردار رہا ہے۔

اس حقیقت سے کسی کو مجالِ انکار نہیں ہوسکتا کہ مدرسہ حسینیہ چلمل کے قیام کے لیے برپا کی گئی تحریک کا ہی وہ اثر تھا جس سے پورے علاقے میں علمِ دین حاصل کرنے کا مزاج عام ہوا اور لوگ اپنے بچوں کو مدرسہ بھیجنے لگے۔

چناں چہ حضرت مولانا شہادت حسین صاحب کے بقول اُن کے زمانے میں مفتی داؤد صاحب، مولانا اسحاق صاحبؒ، مولانا عبدالحنان صاحبؒ، مولانا حاذق صاحبؒ سمیت جتنے بھی طلبہ پڑھ رہے تھے اُن سب کی مکمل تعلیمی نگرانی ورہنمائی حضرت علامہ نے ہی کی تھی، نیز مفتی داؤد صاحب نے تو یہاں تک فرمایا کہ حضرت علامہ کا نئی نسل کی علمی و فکری آبیاری کے لیے سب سے بڑا کارنامہ تو بجائے خود مدرسہ حسینیہ کو قائم کرنا اور عوام و خواص میں تعلیمی بیداری لانا اور تحصیلِ علم کا مزاج عام کرنا ہے، کہ اگر وہ یہ سب نہ کرتے تو آج بہت ممکن ہے کہ ہم لوگ علمِ دین سے بھی محروم رہتے۔

اس کے علاوہ زمانۂ طالبِ علمی میں ہی حضرت علامہ جب دارالعلوم دیوبند میں داخل ہو چکے تھے تب آپ نے خود اپنے رفیقِ درس مولانا شرف الدین صاحب کی بھی تعلیمی رہنمائی کی تھی؛ تا آں کہ مولانا شرف الدین صاحب کو دارالعلوم دیوبند لے جا کر داخلہ کرانے والے بھی آپ ہی ہیں اور اس طرح آپ نے اپنے رفیقِ درس کی بھی تعلیمی رہنمائی میں اپنا ایک کردار ادا کیا۔

مدرسہ حسینیہ چلمل سے فرفرہ شریف کی طرف روانگی

حضرت علامہ ابھی مدرسہ حسینیہ چلمل کی تعمیر وترقی اور طالبانِ علومِ نبوت کی علمی پرداخت میں مصروف ہی تھے کہ مدرسہ عالیہ فتحیہ فرفرہ شریف ضلع ہگلی سے متعدد خطوط آنے لگے اور بہ حیثیتِ شیخ الحدیث مدرسہ تشریف لانے پر اصرار کیا جانے لگا، جس کا اجمالی تذکرہ حضرت علامہ نے نصر الباری کے مقدمہ میں بھی کر رکھا ہے، وہ لکھتے ہیں کہ:

> ”مدرسہ عالیہ فتحیہ فرفرہ شریف ضلع ہگلی سے خطوط آئے، احقر نے تدریسِ حدیث کے موقع کو غنیمت سمجھا اور حاضرِ فرفرہ شریف ہو کر دینی ماحول اور پُرسکون فضا دیکھ کر تقریباً بارہ سال رہا اور تدریسِ حدیث میں مشغول رہا، زیادہ تر احقر کے زیرِ درس بخاری شریف جلدِ اول

اور تفسیرِ کشاف وغیرہ رہیں، یہاں بھی احقر نے اپنے معمول کے مطابق تالیف وتصنیف، ترجمہ وتشریح کا سلسلہ جاری رکھا‘‘ (نصر الباری، ج۱:، ص:۵)

چناں چہ آپ نے چلمل بستی میں بدعات وخرافات کی آماج گاہ (امام باڑہ) کو مسمار کر کے وہاں ایک علمی فضا قائم کردی اور اُس وقت کی موجودہ نسل کو تحصیلِ علم کے راستے پر گامزن کرنے کے ساتھ آئندہ نسل کو بھی علمِ دین سے آراستہ و پیراستہ کرنے کا سامان کرتے ہوئے مدرسہ حسینیہ چلمل کی شکل میں ایک مرکزِ علمی قائم کردیا اور پھر آخر میں اپنی لازوال خدمات انجام دے کر فرفرہ شریف کے لیے بہ حیثیتِ شیخ الحدیث روانہ ہوگئے؛ گویا حضرت علامہ کی حیاتِ بابرکات بجاطور پر وسیم بریلوی کے اس شعر کی تجسیم تھی کہ:

جہاں رہے گا وہیں روشنی لٹائے گا
کسی چراغ کا اپنا مکاں نہیں ہوتا

سبک دوشی کے بعد مدرسے سے تعلقِ خاطر

حضرت علامہ مدرسہ حسینیہ سے ضرور رخصت ہوگئے مگر مدرسہ حسینیہ سے الفت ولگاؤ اور بہی خواہی کا جذبہ ان کے اندر ہمیشہ موجود رہا؛ چناں چہ جب بھی ان کا چلمل آنا ہوتا تو مدرسہ حسینیہ چلمل میں بھی ضرور تشریف لاتے، مولانا فیروز صاحب قاسمی کے بقول اُن کے زمانۂ طالبِ علمی میں (۱۹۶۹ء سے ۱۹۷۲ء تک) بارہا انہوں نے مشاہدہ کیا کہ جب حضرت علامہ تشریف لاتے تو اُس وقت کے اساتذہ اور گاؤں کے دیگر ذمہ دار حضرات کے ساتھ مدرسے میں بیٹھتے اور صورتِ حال کا مکمل جائزہ لیتے اور ساتھ ہی اپنے گراں قدر مشوروں سے بھی نوازتے، یہ وہ زمانہ تھا جب مولانا حبیب اللہ صاحب قاسمی، مولانا عبدالعظیم صاحب مظاہریؒ اور مولانا عبدالماجد صاحب سیوان، جن کو حضرت علامہ نے اپنے دورِ اہتمام میں ہی مدرسہ حسینیہ چلمل میں تدریس کے لیے منتخب کرلیا تھا، یہ تمام

حضرات مدرسے میں اپنی اپنی خدمات بہ خوبی انجام دے رہے تھے اور مدرسہ اپنے سابقہ معیار کے مطابق شاندار طریقے پر چل رہا تھا اور حضرت علامہ اپنے خوابوں کو شرمندۂ تعبیر ہوتے کھلی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے، اس کے علاوہ مولانا حبیب اللہ صاحب قاسمی کے مطابق حضرت علامہ جب کبھی گاؤں تشریف لاتے تو نہ صرف یہ کہ مدرسے کے تئیں فکر مند نظر آتے اور قیمتی مشوروں سے نوازتے بلکہ مسجد میں جمعہ کی نماز سے قبل خطاب کے علاوہ جمعہ کی نماز بھی ہمیشہ آپ ہی پڑھاتے تھے، آپ کی موجودگی میں کبھی کسی اور کو جمعہ کی امامت کرتے نہیں دیکھا۔

مخدوم شاہ کا مزار اور اس کا انہدام

مدرسے کے احاطے میں ہی کھپریل عمارت سے ذرا فاصلے پر نئی عمارت کے پاس مشرقی جانب میں ایک مزار ہوا کرتا تھا جس کو لوگ مخدوم شاہ کے مزار کے طور پر جانتے تھے، اس مزار پہ بھی لوگ ہر طرح کی خرافات انجام دیتے، سجدہ کرتے، چادریں چڑھاتے اور اپنی اپنی مرادیں مانگتے تھے، نیز اس عمل میں علاقائی مسلمانوں کے علاوہ غیر مسلم بھی شریک تھے جو وہاں آکر چڑھاوا چڑھانے کو اپنے لیے باعثِ ثواب اور وسیلۂ نجات تصور کرتے تھے؛ چناں چہ ایک طرف تو مدرسہ تھا جہاں دین سکھایا جارہا تھا وہیں دوسری طرف یہ شرک و بدعت کا اڈّا تھا جہاں سے بددینی پھیل رہی تھی، حضرت علامہ نے فرفرہ شریف میں قیام کے زمانے میں ہی ایک موقع پر جب چلمل تشریف لائے تو اس مزار کو بھی منہدم کردیا اور شرک و بدعت کے ایک اور گڑھ کو اپنے انجام تک پہنچا دیا؛ لیکن چوں کہ سابقہ تحریک اور مسلسل جدوجہد کی بنیاد پر لوگوں کے ذہن و مزاج میں کسی حد تک دینی شعور پیدا ہو چکا تھا اس لیے اس بار پہلے کی طرح بہت زیادہ مخالفتوں کا سامنا نہ کرنا پڑا اور پھر سے اپنے عمل کے ذریعے یہ ثابت کردیا کہ:

فطرتِ انساں میں ہونا چاہیے ذوقِ عمل
خاک کے ذرّے سے پیدا اک جہاں ہو جائے گا

ایک غلط فہمی کا ازالہ

مولانا عبدالباسط صاحب اپنے کتابچے میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

''۱۳۶۹ھ، م ۱۹۵۰ء میں چلمل گاؤں کے دو نوجوان دارالعلوم دیوبند سے فضیلت کر کے واپس اپنے وطن آئے، یہ دونوں گاؤں کے پہلے عالمِ دین تھے بلکہ بعض اعتبار سے علاقہ کے اولین علماء میں سے تھے، ان دونوں کی ابتدائی درجات کی تعلیم بھی ساتھ ہی ہوئی تھی، ایک علامہ محمد عثمان غنی اور ایک مولانا محمد شرف الدین''

(مدرسہ حسینیہ چلمل: تعارف، خدمات، سرگرمیاں، ص: ۴)

واضح رہے کہ حضرت علامہ کی ولادت ۱۹۲۲ء میں ہوئی ہے جب کہ مولانا عبدالباسط صاحب کے والدِ گرامی حضرت مولانا شرف الدین صاحبؒ ۱۹۳۰ء میں پیدا ہوئے، گویا حضرت علامہ عمر میں بھی اُن سے آٹھ سال بڑے تھے؛ تاہم یہ بات تو بالکل درست ہے کہ حضرت علامہ اور مولانا شرف الدین صاحب کی فراغت ایک ساتھ ۱۹۵۰ء میں ہوئی لیکن ابتدائی تعلیم میں دونوں کا ساتھ ہونا ایک غلط فہمی ہے جو دراصل ۲۰۱۷ء کے مدرسہ معینیہ سانحہ کے عظیم الشان تحفظِ شریعت و تعلیمی بیداری کانفرنس میں پیش کردہ مولانا ڈاکٹر محی الدین طالب صاحب کے خطبۂ صدارت سے پیدا ہوئی ہے؛ چناں چہ وہ اپنے خطبۂ صدارت میں مدرسہ معینیہ سانحہ بیگوسرائے کی تاریخ پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''درس گاہ کے لیے الحاج سید فضل الکبیر صاحب نے زنان خانہ سے متصل کھپڑا پوش سائبان خاص کیا، تعلیم و تدریس کی ابتدا ہوگئی، استاذِ محترم (مولانا عترت حسین صاحب آرہ) کی محنت و کاوش اور ذاتی صالحیت اور صلاحیت نے اچھا خاصا ماحول بنا دیا، بستی کے علاوہ قرب و جوار سے طالبِ علم کی آمد شروع ہوگئی، مخیر و باتوفیق لوگوں نے بیرونی طلبہ

کو اپنا اپنا مہمان بنالیا اور طعام وقیام کی ذمہ داری قبول کی، اس زمانہ کے دو ممتاز طالبِ علم محمد شرف الدین اور محمد عثمان غنی جو بعد میں امیرِ شریعت رابع حضرت مولانا منت اللہ رحمانیؒ کے معتمدِ خاص اور رکنِ شوریٰ امارتِ شرعیہ حضرت مولانا محمد شرف الدینؒ کہلائے اور دوسرے قدیم مظاہر علوم سہارنپور کے شیخ الحدیث حضرت علامہ مولانا محمد عثمان غنیؒ کے نام سے معروف ومشہور ہوئے۔'' (مولانا محی الدین طالب: زندگی کے چند اہم گوشے، ص: ۳۷)

چناں چہ اسی تحریر سے یہ سمجھ لیا گیا کہ دونوں کی ابتدائی تعلیم بھی مدرسہ معینیہ سانحہ میں ایک ساتھ ہی ہوئی جب کہ حقیقت یہ ہے کہ مولانا شرف الدین صاحب کی ولادت سے قبل ہی حضرت علامہ اردو مکتب چلمل میں شعبۂ پرائمری کے طالبِ علم تھے اور ساتھ ہی اپنے چچا مولوی نثار احمد صاحب کے پاس بھی پڑھنا شروع کر دیا تھا؛ جیسا کہ ماقبل میں ''بیاضِ عثمانی'' کے حوالے سے ذکر آچکا ہے کہ حضرت علامہ کی خود اپنی تصریح کے مطابق وہ ۱۹۳۴ء تک اردو مکتب چلمل سے پرائمری کی تعلیم مکمل کر کے درجۂ فارسی میں داخل ہو چکے تھے، جب کہ اُس وقت مولانا شرف الدین صاحب صرف چار سال کے رہے ہوں گے، اس کے بعد حضرت علامہ نے کچھ دنوں ڈھاکہ (بنگلہ دیش) میں بھی تعلیم حاصل کی، وہاں سے واپسی کے بعد مدرسہ معینیہ سانحہ میں مولانا عترت حسین صاحب سے کسبِ فیض کیا اور پھر مدرسہ امدادیہ دربھنگہ میں مولانا عبدالوہاب صاحبؒ، مولانا عبدالرحیم صاحبؒ اور مولانا عبدالحفیظ صاحبؒ سے عربی متوسطات کی کتابیں پڑھیں اور اِس پورے تعلیمی سفر میں حضرت علامہ، مولانا شرف الدین صاحب کے سینئر رہے ہیں اور کہیں بھی ایک ساتھ پڑھنے کا موقع نہیں آیا۔

ایک اشکال اور اس کا جواب

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب حضرت علامہ اُن کے سینئر تھے تو پھر فراغت ایک ساتھ کیسے ہوگئی؟ تو جواباً عرض ہے کہ اس دوران چند اعذار کی بنا پر حضرت علامہ کا تعلیمی سلسلہ کچھ عرصے کے لیے موقوف ہو گیا تھا، جس کی وجہ سے مولانا شرف الدین صاحب اُن کے ہم جماعت ہو گئے، یہاں یہ نکتہ بھی قابلِ غور ہے کہ اگر دونوں کی ابتدائی تعلیم ایک ساتھ ہوئی ہوتی تو پھر جب حضرت علامہ کا تعلیمی سلسلہ موقوف ہوا تو بجا طور پر مولانا شرف الدین صاحب آگے نکل چکے ہوتے جب کہ ایسا نہیں ہوا اور دونوں کی فراغت ایک ساتھ ہی ہوئی تھی۔

جہاں تک تعلق ہے مولانا ڈاکٹر محی الدین طالب صاحب کی مذکورہ تحریر کا تو اُس کا ایک ممکنہ مفہوم یہ نکل سکتا ہے کہ مدرسہ معینیہ سانحہ کی موجودہ عمارت کی تعمیر سے قبل چوں کہ ایک لمبے عرصے تک مولانا یحیی صاحب ندویؒ کے والدِ ماجد جناب فضل الکبیر صاحب کے ایک کھپریل مکان میں تعلیم ہوتی تھی؛ چناں چہ جن لوگوں نے اُس مکان میں تعلیم حاصل کی تھی اُن میں یہ دونوں حضرات بھی شامل تھے اِسی لیے باضابطہ مدرسے کے قیام سے پہلے کے عرصے کو ایک زمانہ شمار کرتے ہوئے لکھ دیا کہ اُسی زمانے میں اِن دونوں حضرات نے بھی تعلیم حاصل کی تھی؛ لیکن اس سے ہم جماعت ہونے کا مفہوم نکال لینا درست نہیں۔

اختتامیہ

بلا شبہ حضرت علامہ کثیر الجہات شخصیت کے مالک تھے اور آپ کی شخصیت کی مختلف پرتیں اور حیثیتیں تھیں؛ چناں چہ مدرسہ حسینیہ چلمل کے قیام اور اپنے علاقے میں تعلیمی تحریک کی بنیاد کے حوالے سے جو آپ نے اپنی لازوال خدمات انجام دیں اور بیش بہا قربانیاں پیش کیں، نیز موجودہ و آئندہ نسل کو شرک و بدعت کی دلدل سے نکال کر صراطِ

مستقیم پر گامزن کرنے اور گامزن رہنے کے لیے جو کارنامے انجام دیے اور ساتھ ہی مدرسہ حسینیہ چلمل قائم کر کے اپنے اَخلاف کے دلوں میں علمِ دین کی شمع روشن کرنے کے لیے جو تحریک چلائی وہ بھی آپ کی متنوع شخصیت کا ایک اہم ترین پہلو ہے جس کا کھلے دل سے اعتراف کرنا اور سراہنا ہم تمام احسان مندوں کا اخلاقی فریضہ ہے؛ چناں چہ میری اِس کاوش میں آپ کی شخصیت کے صرف اُسی پہلو کو اجاگر کرنے اور اپنے اُسی اخلاقی فریضے کو انجام دینے کی کوشش کی گئی؛ یقیناً ماقبل میں ذکر کردہ تمام واقعات وحقائق اور مدرسہ حسینیہ چلمل سے شائع شدہ کتابچے پر پیش کیے گئے تفصیلی تجزیے سے تمام قارئین کو معلوم ہو گیا ہوگا کہ حضرت علامہ نے جہاں دنیا بھر کو اپنے سرچشمۂ علمی سے فیضیاب فرمایا وہیں خود اپنے علاقے میں بھی ترویجِ دین واشاعتِ علم کا فریضہ انجام دینے میں کلیدی کردار ادا کیا ہے نیز حضرت علامہ کی اِن خدمات سے تو ایک دنیا واقف ہے، کہ آپ کی شخصیت تو بجا طور پر:

نیا ہے لیجیے جب نام اُس کا
بہت وسعت ہے ''اُس کی'' داستاں میں

کی حقیقی مصداق ہے؛ البتہ میری اِس کاوش کے بعد بہت سوں کے لیے اب تک پردۂ خفا میں رہنے والی یہ حقیقت بھی آشکار ہو چکی ہوگی کہ مدرسہ حسینیہ چلمل کے قیام سے قبل آپ کے والد جناب مولوی عبداللہ صاحب اور چچا جناب مولوی نثار احمد صاحب نے اُسی مقام پر ایک مکتب کی بنیاد رکھ کر بچوں میں تعلیمی روح پھونکنے کا آغاز کر دیا تھا؛ گویا حضرت علامہ نے اپنے والد و چچا کے لگائے ہوئے اُسی پودے کی آبیاری کر کے مدرسہ حسینیہ چلمل کی شکل میں ایک تناور درخت بنا دیا اور الحمدللہ اُسی تناور درخت کے سایے میں نونہالانِ امت کی مسلسل علمی پرورش ہوتی چلی آ رہی ہے، یقیناً:

بہار اب جو دنیا میں آئی ہوئی ہے
یہ سب پود اُنھی کی لگائی ہوئی ہے

گلہائے عقیدت

بہ خدمت حضرت علامہ محمد عثمان غنی قاسمیؒ
نتیجۂ فکر : حضرت مولانا ضیاء الرحمن ضیا نعمانی، بھاگلپوری

﴿ ''گلہائے عقیدت'' اور ''وصفِ بہارِ چلمل'' سے معنون ایک طویل ترین نظم
میں سے چند منتخبہ ومتعلقہ اشعار نذرِ قارئین ہیں۔ ﴾

زبانِ با وضو سے رات دن حمد و ثنا کہیے — درودِ بے کراں پڑھیے جو نعتِ مصطفیٰؐ کہیے
درودوں سے حیاتِ جاوداں گر ملنے والی ہے — تو عثمانؒ کی زباں کو چشمۂ آبِ بقا کہیے
حسین احمدؒ کا پرتو یعنی شاگردِ رشید اُن کا — خلیلؒ وقت کے گلشن میں ہے کھویا ہوا کہیے
جواں پیری کا عالم اور حدیثِ پاک کی خدمت — شہِ علامۂ عثمانؒ کا عالی حوصلہ کہیے
اُنہی کی یادگاروں میں حسینیّہ بھی شامل ہے — کہ چلمل کے ہر اک گھر میں اُسی کی ہے ضیا کہیے
سمرقند و بخارا ہے اگر فانوسِ علم و فن — تو چلمل کو بھی ناموسِ سمر قند و بخا کہیے
وہ چلمل میں کبھی جھلمل تھے، اب ہیں نیّرِ تاباں — ثریّا چومے جس کے پاؤں، اس کا مرتبہ کہیے
کسی نے تاجِ بیضا، قلعۂ حمرا اگر چھوڑا — تو عثمانؒ کے قلم اور ہاتھ کو بیضا عصا کہیے
ضیاؔ اربابِ فن سے داد و تحسیں کی طلب کیسی — مجھے تو اک غنیِ وقت کا مِدحت سرا کہیے

☆ ☆ ☆

روداد جامعہ حسینیہ چلمل

ترتیب

شارحِ بخاری، صاحبِ نصر الباری

حضرت علامہ محمد عثمان غنی قاسمیؒ

(سابق شیخ الحدیث مدرسہ مظاہر علوم وقف سہارنپور و بانی مدرسہ حسینیہ چلمل)

(سنِ ترتیب واشاعت: ۱۹۶۵ء)

جامعہ حسینیہ چلمل کا اجمالی خاکہ

سہ سالہ ماضی پر ایک نظر

اس مقدس درس گاہ ''جامعہ حسینیہ چلمل'' کو آج سے تین سال قبل ۱۳۸۱ھ مطابق ۱۹۶۲ء میں اس سیہ کار نے قائم کیا، اس کا افتتاحی اجلاس انتہائی عجلت میں کیا گیا اس کے باوجود ہندوستان کے مشہور و مقبول مقرر فصیح اللسان حضرت مولانا ابوالوفا صاحب شاہ جہاں پوری اور فخرِ ملت حضرت الحاج مولانا القاری محمد فخر الدین صاحب گیاوی دامت برکاتہم نے تشریف لا کر ایمان انگیز، روح پرور تقریریں فرمائیں اور وقت کی پکار کے مطابق سب کو سٹیٹ لادینی حکومت میں علمِ دین کی ضرورت اور اہمیت کو بتلاتے ہوئے مسلمانوں کو جامعہ حسینیہ چلمل کی طرف توجہ دلائی، پھر کیا تھا علاقہ کے شیدایانِ اسلام و حامیانِ علوم نبویہ نے ملک کے سرد گرم حالات و گوناگوں مشکلات سے ٹکراتے ہوئے اقتصادی بدحالی و ملکی گرانی کے باوجود محض اسلام و پیغمبرِ اسلام علیہ الصلاۃ والسلام کی محبت میں میرا ہر طرح ساتھ دیا، میں نے محض موجودہ ہندوستان کے زہریلے نصاب و دشمنانِ اسلام کے خطرناک عزائم کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے غیر معمولی مصائب و تکالیف، رنج و محن جھیل کر لوہے کا چنا چبانا گوارہ کیا، بلا تصنع عرض کر رہا ہوں کہ جامعہ حسینیہ چلمل ہی کی بنیاد کے بعد میں نے تعلق اور لگن کے صحیح مفہوم کو سمجھا، بس میرا تین سالہ حال یہ رہا کہ نہ جان و مال کی پروا نہ عزت کی چاہ اور نہ ذلت و ملامت کا خطرہ، بس مدرسے کی رسید لی اور زبانِ حال سے کہتا ہوا چل پڑا:

مرکزِ دینِ نبی ہے منظرِ اسلام ہے
مدرسہ کہتے ہیں جس کو مصدرِ اسلام ہے

خالقِ کونین کا صد ہزار شکر ہے کہ ہم خدام کی مساعی اور اہلِ خیر کی مالی و بدنی امداد کو قبول فرمایا، ناممکن کو ممکن بنا دیا کہ صرف تین سال کا یہ باغ ہے جس کی مختلف کلیاں دار العلوم دیوبند و مظاہر علوم سہارنپور میں نظر آ رہی ہیں۔

جامعہ کا موجودہ اسٹاف اور طلبہ کی تعداد

مدرسین	باورچی	امدادی طلبہ	طلبہ کی مجموعی تعداد	تخمینی ماہانہ صرفہ
۷	۱	۴۱	۱۳۰	۹۰۰

مدرسے کی اہم ترین ضرورت

آپ کے اس جامعہ میں فی الحال پانچ کمرے اور ایک باورچی خانہ ہے، مگر اس میں چھ مدرسین جو بیرونی ہیں ان کا قیام اور چالیس طلبہ کا قیام اور اسی میں درس گاہیں ہیں، آپ حضرات کو دقتوں کا خود اندازہ ہوگا؛ چناں چہ عربی تعلیم ملحقہ مسجد میں ہوتی ہے اور درجہ حفظ باہر سائبان میں ؛ اس لیے فوری توجہ کی پُرزور اپیل ہے، تعمیری فنڈ کی مستقل رسید چھپ چکی ہے اور الحمدللہ مدنی ہال کی بنیاد بھی پڑ چکی ہے؛ اس لیے اصحابِ خیر سے مزید عطیات کی توقع باعثِ توسیعِ عمارت وخیرِ خشیر ہوگی:

خط وکتابت وترسیلِ زر کا پتہ : محمد عثمان غنی ناظم جامعہ حسینیہ چلمل ضلع مونگیر

شکریہ

موجبِ ارشادِ ربانی ﴿لَئِن شَكَرتُم لَأَزِيدَنَّكُم وَلَئِن كَفَرتُم إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيد﴾ (یعنی اگر تم شکر کرو گے تو تمھیں اور زیادہ دوں گا اور اگر تم نے کفرانِ نعمت کیا تو سمجھ لو کہ میرا عذاب سخت ہے)

سب سے پہلے ہم خالقِ کائنات پروردگارِ عالم کا شکریہ ادا کرتے ہیں کہ جس نے محض اپنے فضل وکرم سے ہم کو اشاعتِ اسلام اور اعلاءِ کلمۃ اللہ کی توفیق دی، اس کے بعد

بفحوائے حدیث ”من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ“ (جس نے انسان کا شکریہ ادا نہ کیا اس نے خدا کی شکر گزاری نہیں کی) کے اصول کے موافق ہم تمام اہلِ کرم معاونینِ جامعہ کا شکریہ ادا کرتے ہیں؛ جنہوں نے دامے درمے سخنے اور قلمے جامعہ کی اعانت میں حصہ لیا ہے، بالخصوص جناب الحاج ڈاکٹر محی الدین اختر صاحب (ایم بی بی ایس بیگوسرائے) اور رفیقِ محترم حضرت مولانا محمد شرف الدین القاسمی و جناب ڈاکٹر محمد خبیر الدین صاحب چلمل کے صمیمِ قلب سے شکر گزار ہیں کہ مدرسہ کی ابتدائی سال سے ہی ہر طرح کی اعانت فرمائی اور پُرکٹھن موڑ پر سہارا دیا۔

ہم دعا گو ہیں کہ خداوندِ عالم جامعہ چلمل کے تمام معاونینِ کرام کو دینی و اخروی ترقی کے ساتھ ساتھ دنیا کی دولت سے مالا مال کرے اور جملہ مصائب و آفات سے محفوظ رکھے، آمین ثم آمین۔

سلام اُن پر جنہوں نے کچھ ہماری یاد فرمائی
سلام اُن پر جنہوں نے کچھ نہ کچھ امداد فرمائی
سلام اللہ کے نیک بندوں، حق پسندوں پر
جنہوں نے دین کو ترجیح دی دنیا کے دھندوں پر

چوں کہ مدرسہ کی زندگی ابتدائی ہے اور چند سال ہی گزرے ہیں؛ اس لیے ہندوستان گیر شہرت تو نہیں ہوئی ہے اور ہندوستان کے کثیر اکابر علماء کے ملاحظات و قدومِ میمنت لزوم سے مدرسہ ابھی محروم ہے؛ تاہم جن اکابر کی تشریف آوری کا شرف مدرسہ کو حاصل ہوا ہے ان کے تاثرات حسبِ ذیل ہیں اور ہماری ہمت افزائی و رہنمائی میں معین و معاون۔

عالمِ ربانی شیخِ طریقت حضرت مولانا عبدالرشید صاحب رانی ساگری دامت برکاتہم کا

معائنہ اور اپیل

مؤرخہ ۲۹؍دسمبر ۱۹۶۲ء میں جامعہ حسینیہ چلمل (مونگیر) پہنچا، مدرسہ پُرفضا اور کُھلے مقام پر ہے، مسجد اور مدرسہ متصل ہے، سامنے میں کافی وسیع اور کشادہ جگہ ہے؛ گرچہ مدرسہ مذکور ۱۹۶۲ء ہی سے باضابطہ طور پر شروع ہوا ہے اور عربی تعلیم کا نظم ہوا ہے، لیکن یہ بات بہت زیادہ مسرت کا باعث ہے کہ مدرسہ مذکور میں کافیہ، شرحِ تہذیب کی جماعت و نیچے کے عربی متعلمین کی جماعت ہے، درجہ حفظ میں ابتدائی طلبہ سے لے کر ۲۴ پارے میں حفظ کرنے والے طلبہ ہیں، فی الحال تین عالم ایک حافظ، ایک قاری اور ایک ماسٹر ہیں، مدرسہ میں مطبخ ہے اور مستحق طلبہ کو منجانب مدرسہ طعام وقیام کی سہولت بہم پہنچائی جاتی ہے۔

آس پاس میں کافی دیہات ہیں جو مدرسہ سے مستفید ہو سکتے ہیں، دینی تعلیم کی اشاعت کارِخیر ہی نہیں آج کے دور میں مسلمانوں کا اہم فریضہ ہے، میں دعا کرتا ہوں کہ مدرسہ مذکور روز افزوں ترقی کرے اور مدرسہ کے ذمہ دار و ملازمین تعلیم کے ساتھ ساتھ تبلیغ کی خدمات کو بھی باحسن انجام دیں، آمین۔

نیز میں عمومی طور پر اپنے دینی بھائیوں سے اور خصوصی طور پر اپنے منتسبین ومتوسلین سے استدعا کرتا ہوں کہ مدرسہ مذکور کی ہر طرح معاونت فرمائیں!

خیر اندیش
عبدالرشید عفی عنہ
مؤرخہ ۲۹؍دسمبر ۱۹۶۲ء

خطیب العلماء حضرت مولانا مجاہد الاسلام قاسمی (قاضیِ شریعت امارتِ شرعیہ پھلواری شریف) کا

تفصیلی معائنہ

آج مجھے جب کہ میں انجمن تحفظِ شعائرِ اسلام بیگوسرائے کے جلسہ میں حاضر ہوا، اپنے بزرگ مولانا محمد عثمان صاحب قاسمی صدر مدرس مدرسہ جامعہ حسینیہ کے ساتھ جامعہ حسینیہ چلمل ضلع مونگیر میں حاضری کا موقع نصیب ہوا۔

میں نے مدرسہ سے زیادہ سے زیادہ گہری واقفیت حاصل کرنے کی کوشش کی، مدرسہ ابھی اپنی عمر کے تین سال پورے نہیں کرسکا ہے؛ لیکن اس کا سرمایہ اس وقت درجہ عربی کے ۲۲ طلباء، درجہ حفظ کے پندرہ طلباء اور ابتدائی درجات کے ۶۵ طلباء ہیں، عربی میں طلباء کافیہ، قدوری تک کے پڑھنے والے ہیں، پچھلے سال کی پیداوار ایک حافظ اور دو ایسے طلبہ ہیں جنہوں نے کافیہ قدروی تک تعلیم حاصل کرکے دوسرے مدارس میں اعلیٰ تعلیم کے لیے داخلہ لیا، اس وقت حضرت صدر مدرس صاحب کے علاوہ دو عالم، ایک قاری، ایک حافظ، ایک مدرس درجہ ابتدائی اور ایک ماسٹر کام کررہے ہیں، جن کی ماہانہ تنخواہ ۳۳۵ ادا کی جاتی ہے۔

مطبخ سے ۳۲ اشخاص کے کھانے کا نظم کیا جاتا ہے، جن میں ۵ مدرسین ہیں اور ۲۷ طلباء ہیں، سب سے باعثِ مسرت یہ ہے کہ یہ مدرسہ چند مسلم گاؤں کے درمیان مرکزی حیثیت رکھتا ہے اور یہاں مدرسہ کے قیام سے دیہات کے مسلمان بچوں کے لیے دینی وشہری مضامین کی ابتدائی تعلیم کا معقول نظم ہوگیا ہے، اگر اس مدرسہ کے ذریعہ شہری ترقیات اور تعلیمی سہولتوں سے دور مسلمان بچوں کی تعلیم کا کام بھی خدائے تعالیٰ لے لے

تو یہی کیا کم ہے؛ چہ جائیکہ میں نے خصوصیت کے ساتھ اس امر کو محسوس کیا کہ علاقہ کے ان برادریوں کے بچے بھی کھینچ کھینچ کر یہاں آرہے ہیں جن میں دین اور علم کی بہت کمی تھی، اگر مدرسینِ مدارس نے ان غیر تعلیم یافتہ برادریوں کے بچے کو لاکر ان کی سینکڑوں برس سے غیر مستعمل صلاحیتوں کو ابھارا تو یقیناً دین کا بڑا کام ہوگا۔

میں نے عربی درجہ کے طلباء کا امتحان بھی لیا، ان میں ابھرنے اور ترقی کرنے کی صلاحیت پائی، مدرسین کو مزید توجہ تعلیمی پختگی، ذہنی نشو ونما پر دینی چاہیے اور ہر لمحہ دینی تربیت پر نگاہ رکھنی چاہیے۔

حضرت صدر مدرس صاحب اور دوسرے کارکنان و ذمہ دارانِ مدرسہ کی توجہ کے لیے یہ خواہش ظاہر کر دنیا ضروری سمجھتا ہوں کہ آہستہ آہستہ اس ادارہ کو ایسی اقامتی تربیت گاہ کی شکل دے دی جائے جہاں مناسب رہائشی سہولتوں کے ساتھ ساتھ معیاری تعلیم و تربیت کا نظم بھی ہو اور دینی ذہن، دینی زندگی اور شہریت کے ضروری علوم و آداب سے آراستہ ہو کر مسلمان بچے نکلیں اور وہ دینی جد و جہد میں سرفروشانہ اور حکیمانہ حصہ لے سکیں، یہ محض ایک تمنا ہے جس کی تکمیل میں مشکلات ضرور ہیں لیکن اصحابِ عزیمت مشکلات کی پروا کیے بغیر خدا پر بھروسہ کر کے اپنی کوشش جاری رکھنا ہی اپنا فریضہ سمجھتے ہیں۔

بہر حال اس دینی ادارہ میں حاضر ہو کر مجھے مسرت ہوئی اور میں نے محسوس کیا کہ یہاں مفید دینی کام کیا جا رہا ہے، جس کی تقویت کے لیے کوشش کرنا اور اس کی اعانت میں اپنا حصہ لینا ہر مسلمان کی اپنی ذمہ داری ہے۔

آخر دعوانا أن الحمد للہ رب العالمین

مجاہد الاسلام القاسمی

امارت شرعیہ بہار واڑیسہ

۲۹/۴/۱۳۸۴ھ